ڈاکٹر محمد افضال بٹ، انچارج فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

Dr. Muhammad Afzal Butt, In charge Faculty of Arts & Social Sciences, Government College Women University Sialkot

بطور ناول نگار قرۃ العین حیدر پر تحریر کردہ منتخب آرٹیکلز ! ایک جائزہ

AS A NOVELIST, SELECTED ARTICLES WRITTEN ON QURAT –UL-HAIDER! AN OVERVIEW

Abstract:

Dissertation and article writing serve as powerful and natural mediums for expressing our thoughts, experiences, and teachings to a broader audience. Through the act of crafting articles, we actively share our knowledge, research, and insights with others. This exchange not only enriches our collective knowledge base but also plays a pivotal role in fostering community growth and development. Writing provides a platform for us to thoughtfully organize and present our ideas, ensuring they are conveyed in the most effective manner possible. It affords us the opportunity to distill our experiences and perspectives, transforming them into meaningful contributions. In delving into the selected research papers, these scholars seamlessly weave their own experiences and erudition into their analyses, creating a tapestry of understanding that transcends mere academic discourse. Their engagement with Haider's novels becomes a conduit for communicating not only the nuances of her storytelling but also the profound impact her work has had on the literary landscape. In conclusion, the selected research papers on Qurat-ul- Haider's novels, penned by these accomplished researchers and published in prestigious journals, serve as a testament to the power of article writing. Through their intellectual endeavors, these writers guide, influence, and shape the way readers perceive and engage with the profound literary legacy of Qurat-ul- Haider.

Key Words: *Thougts, Experience, Qurat-ul-Haider, Literary, Novels, Understanding, Ideas, Journals.*

مقالہ / آرٹیکل اور مضمون نگاری ہمارے خیالات، تجربات اور تعلیمات کو وسیع تر سامعین تک پہنچانے کے لیے ایک طاقتور اور قدرتی ذریعہ کے طور پر کام کرتی ہے۔ آرٹیکل تیار کرنے کے عمل کے ذریعے، ہم اپنے علم، تحقیق اور بصیرت کو دوسروں کے ساتھ فعال طور پر بانٹتے ہیں۔ یہ تبادلہ نہ صرف ہمارے اجتماعی علم کی بنیاد کو تقویت دیتا ہے بلکہ کمیونٹی کی ترقی اور ترقی کو فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ تحریر ہمیں اپنے خیالات کو سوچ سمجھ کر ترتیب دینے اور پیش کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ ان کو ممکنہ حد تک موثر انداز میں پہنچایا جائے۔ یہ ہمیں اپنے تجربات اور نقطہ نظر کو بامعنی شراکت میں تبدیل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

آرٹیکل / مقالہ کے لغوی معنی بات یا تعریف کے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد کسی مخصوص موضوع پر مدلل انداز میں بحث کرنا یا مختلف آراء کو پیش کرتے ہوئے اپنی تحریر کو جاندار انداز میں قارئین کے سامنے پیش کرنا مقالہ کہلاتا ہے۔ مقالے میں کسی موضوع پر ادبی اور اخلاقی حدود وقیود کا پاس رکھتے ہوئے مکمل تحقیق کے بعد درست حقائق کو عالمانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ ادبی زبان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور دیگر مصنفین اور ناقدین کی آراء کو مکمل حوالہ جات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ دلائل کے ساتھ لکھے جانے والے مقالہ جات ہی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے ناولوں پر منتخب تحقیقی مقالوں کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے ایسا لگا کہ محققین بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے تجزیوں میں اپنے تجربات اور فصاحت وبلاغت کو بُنتے ہیں، اور تفہیم کی ایسا انداز تخلیق کرتے ہیں جو محض علمی گفتگو سے بالاتر ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناولوں کے ساتھ مقالہ نگاروں کی وابستگی نہ صرف اس کی کہانی کہنے کی باریکیوں کو بتانے کا ذریعہ بنتی ہے بلکہ اس کے کام کے ادبی منظر نامے پر گہرے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ یہ علمی مشاغل نہ صرف قرۃ العین حیدر کی لاجواب ادبی حس کی فراوانی کو روشن کرتے ہیں بلکہ ان کی ادبی تخلیقات کو آسان انداز میں قارئین کی رہنمائی کا کام بھی کرتے ہیں۔.

جب ان تحقیقی مقالوں کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ محققین اپنی بصیرت افروز تبصروں کے ذریعے قارئین کو قرۃ العین حیدر کے ناولوں کے بارے میں ایک نیا نقطہ نظر فراہم کرتے ہیں اور انہیں ان کی داستانوں کی پیچیدہ تہوں میں گہرائی تک جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ذاتی تجربات اور علمی کھوج کے امتزاج کے ذریعے ہی یہ

مصنفین قارئین کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور انہیں قرۃ العین حیدر کی ادبی تخلیقات میں شامل گہرے موضوعات پر غور کرنے پر اکساتے ہیں۔

انسان عام طور پر شروع سے ہی قصے کہانیوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس صنفِ ادب کی ابتداء بھی اسی دلچسپی کی مرہونِ منت ہے۔ دیگر کئی اصناف کی طرح ناول بھی مغرب سے آئی ہوئی صنف ہے۔ یہ لفظ انگریزی سے اردو میں آیا۔ کچھ لوگوں کے مطابق انگریزی لفظ "Novelle" سے نکلا ہے۔ بعض کے نزدیک Storia Novella سے۔ جیسے ناز قادری اپنے مضمون "ناول کا فن" میں لکھتے ہیں کہ:

> "اس کی اصل Storia Novella ہے۔ یہ اصطلاح تازہ کہانی کا مفہوم رکھتی ہے لیکن بعد میں ناول کا لفظ اس کہانی کے لیے مخصوص ہو گیا جو نثر میں لکھی گئی اور جس میں رومانی اثرات ملے۔"(۱)

یوں وقت گزرتا گیا اور ناول کی مختلف تعریفیں کی جانے لگیں۔ کلاویوز نے اس کی تعریف کچھ ان الفاظ میں کی ہے کہ " ناول اس زمانے کی حقیقی زندگی اور طور طریقوں کی تصویر ہوتی ہے جس میں وہ لکھا گیا ہو۔" ای-ایم فارسٹر کا کہنا ہے کہ "ناول ایک خاص طوالت کا نثری قصہ ہے۔" اسی طرح بہت سے انگریزی و اردو ادباء نے ناول کی تعریفیں پیش کیں۔ ناول ہماری روزمرہ زندگی کے حالات و واقعات کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں پیش کی جانی والی کہانیاں دراصل ہماری حقیقی زندگی سے ہی اخذ کی جاتی ہیں۔ اگرچہ اس کے کردار خیالی ہوتے ہیں لیکن ان کرداروں کے ذریعے حقیقیت کو پیش کیا جاتا ہے۔ علی عباس حسینی نے کہا "ناول وہ ہے جس کا موضوع روزانہ زندگی ہے اور جس کا ذریعہ حقیقت نگاری ہے۔" (۲) اسی طرح احمد سہیل نے کہا "یہ ایک فرضی نثری قصہ یا کہانی ہوتی ہے جس میں حقیقی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔"(۳)

ناول میں انسانی زندگی کی مختلف جزئیات کو مختلف طریقوں سے پیش کیا جاتا ہے جیسے کبھی تاریخ کی صورت میں، کبھی سیاحت کے ذریعے اور کبھی نفسیات کی مدد سے۔ یوں اس میں کم و بیش ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا جاتا ہے۔ گویا چند الفاظ کی صورت میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ناول زندگی کی تصویر کشی کا فن ہے۔ ناول میں انسانی زندگی کے حالات و واقعات کو ایک عمیق مشاہدے اور مطالعے کے بعد ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے۔ ناول میں چند خصوصیات کا ہونا ضروری ہے جیسے ناول کا پلاٹ اچھا ہونا چاہیے یعنی پوری کہانی کے واقعات آپس میں مربوط ہونے چاہیے۔ اس میں اچھی منظر نگاری کی گئی ہو۔ مکالمہ نویسی اور کردار نگاری کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے۔

ماحول کی عکاسی بھرپور طریقے سے نظر آنی چاہیے۔ اور ناول لکھتے ہوئے جو بھی مقصد یا فلسفہ ناول نگار کے ذہن میں ہو اسے عمدگی سے قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ ان خصوصیات کی بدولت ایک ناول اچھا ناول کہلا سکتا ہے۔

معروف فکشن نگار سجاد حیدر یلدرم کی بیٹی قرۃ العین حیدر ۲ جنوری ۱۹۲۸ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ ان کی والدہ نذر زہرا بھی ایک عمدہ لکھاری تھیں۔ جو شادی سے قبل نذر الباقر کے نام سے اور شادی کی بعد نذر سجاد کے نام سے لکھا کرتی تھیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ قرۃ العین کو لکھنے کا جنون اور جذبہ وراثت میں ملا تھا۔ عینی آپا کے نام سے بہت معروف ہیں۔ انہوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز بچپن (چھ سال کی عمر) سے ہی کر دیا۔ ان کی پہلی کہانی بچوں کے رسالے "پھول" (لاہور) میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد لکھنے کا سلسلہ چلتا ہی رہا اور وہ اپنے عہد کی ایک معروف تخلیق کار کے طور پر نمایاں ہوئیں۔ ان کی ادبی خدمات کی بدولت انہیں بہت سے ادبی ادبی انعامات اور اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ جیسا کہ "ساہتیہ اکادمی ایوارڈ" (۱۹۷۲)، "سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ" (۱۹۹۶)، "اتر پردیش اردو اکیڈمی ایوارڈ" (۱۹۸۲)، "غالب ایوارڈ" (۱۹۲۸، "پدم شری ایوارڈ" (۱۹۴۸)، "اقبال سمان ایوارڈ" (۱۹۷۸ء) اور دیگر کئی ایوارڈ حاصل کیے۔

قرۃ العین حیدر نے بہت سے ناول افسانے اور ناولٹ تحریر کیے۔ ان کے ناولوں اور افسانوی مجموعوں میں "آگ کا دریا" (ناول، ۱۹۵۷)، "میرے بھی صنم خانے" (ناول ۲۰۰۴ء)، "ستاروں سے آگے" (افسانے ۱۹۴۷)، "سفینۂ غمِ دِل" (ناول، ۱۹۵۲ء، ۱۹۶۹)، "شیشے کا گھر" (افسانے، ۱۹۵۴ء)، "آخرِ شب کے ہم سفر" (ناول، ۱۹۸۴ء)، "کارِ جہاں دراز ہے" (ناول، ۱۹۷۷)، "پت جھڑ کی آواز" (افسانے، ۲۰۱۱ء)، ناولٹ (دلربا، ہیتا ہرن، چائے کے باغ، اگلے جنم موہے بیٹانہ کیجو)، "روشنی کی رفتار" (افسانے، ۱۹۹۲ء)، "گردشِ رنگِ چمن" (ناول، ۱۹۸۸ء) وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے انگریزی سے اُردو اور اُردو سے انگریزی تراجم بھی کیے۔

یوں تو تمام اصنافِ ادب ہی اپنے اندر اپنے سماج کی تہذیب و ثقافت کا وسیع ذخیرہ رکھتی ہیں لیکن دلچسپی فکشن اور بالخصوص ناول سے پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرۃ العین حیدر جیسی منفرد ناول نگار کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یوں تو قرۃ العین حیدر کی تحریروں سے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن ان کی ناول نگاری سے متعلق لکھے گئے مقالہ جات (آرٹیکلز) کو منتخب کیا۔ ان مقالہ جات کے مطالعے کے بعد انسان ان کی عظمت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس

سے نا صرف ان کے ناولوں کی چیدہ چیدہ خوبیاں ہمارے سامنے آتی ہیں بلکہ قرۃ العین حیدر نے ادب میں جو بھی اضافہ کیا، جن رجحانات کو اپنی ناول نگاری کا حصہ بنایا ان سے بھی خاطر خواہ آگاہی ملتی ہے۔

اگر قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری پر لکھے گئے مقالہ جات کا ذکر کیا جائے تو ان پر درجنوں مقالہ جات تحریر کیے جا چکے ہیں صرف چند منتخب آرٹیکلز کو کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں منتخب ارٹیکلز کے علاوہ مجلّہ "ایوانِ اردو "(دہلی، شمارہ نمبر ۹، ۲۰۰۸ء)، "نگار "(لکھنؤ، ۲۰۰۷ء) اور ماہنامہ "آج کل" (نئی دہلی، شمارہ ۴، نومبر ۲۰۰۷ء) کے قرۃ العین حیدر نمبر موجود ہیں جن میں قرۃ العین کی ناول نگاری پر لکھے گئے مقالہ جات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب علی کی مرتب کردہ کتاب "قرۃ العین حیدر شخصیت اور فن" جس میں انہوں نے قرۃ العین پر لکھے جانے والے متعدد مقالہ جات کو یکجا کیا ہے۔

ناول "آگ کا دریا" پر لکھے گئے مقالہ جات ایک جائزہ

قرۃ العین حیدر جو جدیدیت کے حوالے سے ایک اہم ناول نگار ہیں۔ اگرچہ انہوں نے بہت سے ناول لکھے ہیں لیکن ناول "آگ کا دریا" کو جو پذیرائی حاصل ہوئی اس کا جواب نہیں۔ اس ناول کا مرکزی کردار ہی وقت ہے یعنی اس میں مختلف تہذیبوں کی عکاسی ملتی ہے اور وقت کے ساتھ ہی مرکزی کردار بھی بدلتے ہیں، جیسے سب سے پہلے بدھ مت۔ جب مسلمان ہندوستان میں نہیں آئے تھے تو اس وقت کی ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی آمد کے بعد وہاں کی تہذیب کو موضوع بنایا ہے یعنی مغل دورِ حکومت کی عکاسی بھی اس ناول میں موجود ہے۔ پھر تقسیم کے حالات کی بھی تصویر کشی ناول میں ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کوئی ایک مخصوص مرکزی کردار نہیں ہے۔

سب سے پہلے "گوتم "کا کردار (بدھ مت کے حوالے سے) سامنے آتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے مختلف سوال پیش کیے گئے ہیں جیسے انسان کہاں سے آتا ہے؟ مرنے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ وغیرہ۔ اس وقت کی عکاسی کی گئی جب گیت اور ناچ کو مذہب کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جو مرحلہ سامنے آتا ہے وہ چندر گپت موریا کا دور ہے یعنی جب مگدھ پر حملہ کیا جاتا ہے۔ مگدھ وہ علاقہ ہے جہاں گوتم رہتا ہے۔ حملے کے بعد اس علاقے پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ جنگ کے دوران گوتم کے والدین وفات پا جاتے ہیں اور گوتم کی انگلیاں کٹ جاتی ہیں۔ اس کی محبوبہ چمپک کو بھی فرعونِ وقت قبضے میں لے لیتے ہیں۔ اس کے بعد چندر گپت موریا کے خاندان کی حکومت تھی اور ہر طرف

ہریالی کا دور دورہ تھا۔ اس کے بعد گوتم ایک عیاش کردار بن کر سامنے آتا ہے لیکن اس سب کے باوجود وہ چمپک کی محبت میں مبتلا رہتا ہے۔

اس کے عد جو دور آتا ہے وہ ابو المنصور کمال کی ہندوستان آمد اور مختلف بادشاہوں سے اس کی جنگ کے مناظر بھی ملتے ہیں۔ کمال کا کردار سامنے آنے کے بعد گوتم کا کردار کہیں پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد انگریزوں کے دورِ حکومت کو موضوع بنایا۔ اس دوران گوتم ایک نئے روپ میں سامنے آتا ہے وہ ایک کلرک ہوتا ہے اور اس کی محبوبہ چمپک ایک طوائف کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ بظاہر اس کردار کو بھی گوتم ہی کہا گیا ہے پر یہ ایک الگ کردار ہے۔ یعنی گوتم کو اس ناول میں انسان کے مختلف کرداروں کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔ ناول کے اس حصے میں گوتم چمپک سے نفرت کرتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک ایک عورت کو طوائف نہیں ہونا چاہیے۔

گوتم اور چمپک دونوں عمر رسیدہ ہو جاتے ہیں۔ اس عہد کی عکاسی بھی ہے جب ہندوستان میں آزادی کے لیے کوششیں کی جارہی تھیں۔ آزادی کے بعد کے واقعات کو بھی ناول کا حصہ بنایا گیا۔ لہٰذا مختلف تہذیبوں کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہر تہذیب کی مخصوص روایات اور ماحول کو اپنے ناول میں پیش کیا۔ ناول بنیادی طور پر فانی زندگی، بدلتے وقت کے تیور پر مبنی ہے۔ وقت بدلتا ہے کردار بدلتے ہیں۔ لوگ پیدا ہوں گے اپنے اپنے حصے کا کردار ادا کریں گے، مصائب کا مقابلہ کریں گے، اپنی زندگی گزاریں گے اور چلے جائیں گے۔

"قرۃ العین حیدر کے ناول "آگ کا دریا" پر علاقائی ثقافت کے اثرات (ایک مطالعہ)" جو محمد طارق انصاری (پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور) اور ڈاکٹر ریاض حسین بلوچ (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور) نے لکھا۔ ان کا تعلق اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ہے۔ یہ مقالہ ایک سہ ماہی تحقیقی جریدہ "جہانِ تحقیق" میں شائع ہوا۔ یہ ایک آن لائن تحقیقی جریدہ ہے جو لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ بارہ صفحات پر مبنی اس مقالے میں مختصراً مگر جامع انداز میں ناول آگ کا دریا میں موجود ثقافت کو پیش کیا ہے۔ یہ ناول چونکہ ڈھائی ہزار سالہ تاریخ پر مبنی ہے اس دوران اس میں بہت سی تہذیبوں کا بیان ہے۔ جیسا کہ ناول کے مختصر خلاصے میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس ناول میں مختلف تہذیبوں کی عکاسی ملتی ہے۔ قرۃ العین کو تاریخ سے بہت لگاؤ تھا اس کی جھلک ان کی تحریروں میں بھی ملتی ہے۔ الغرض انہوں نے تہذیب و ثقافت کی عکاسی بھرپور انداز سے کی ہے۔ اور اس مقالے میں ان تمام ثقافتی پہلوؤں کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ ہر علاقے کے مطابق وہاں کا رہن سہن، وہاں کے مختلف مقامات، عبادت گاہیں، بولی، جانوروں کا ذکر، نباتات، پیڑ پودے، لباس، مصوری

و موسیقی، رقص، فنِ تعمیر کا ذکر موجود ہے۔ اور ان تمام ثقافتی نکات کو اس مقالے میں حوالوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مقالہ نگاران لکھتے ہیں کہ:

> "اس ناول میں اڑھائی ہزار سال کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ میرے مقالے کے مطابق اس ناول کی ہیئت اور فکر و فلسفہ میرا موضوع نہیں ہے۔ اس لیے میں صرف اس ناول میں پیش کی گئی تہذیب و ثقافت اور زبان کی معروضیت پر بات کروں گا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناول تغیر پذیر ثقافت اور مٹتی تہذیب کا نوحہ ہے۔"(۴)

اس مقالے میں ہندوستان کی تغیر پذیر ہوتی ثقافت، لکھنوی رنگ و آہنگ، ہندوستان میں مسلمانوں اور انگریزوں کی آمد سے تہذیب و ثقافت پر پڑنے والے اثرات کا ایک مختصر مگر جامع تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

"قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں معاشی تصورات" جو کہ صائمہ اقبال (لیکچرار، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد) اور ڈاکٹر پروین (ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد) کلو نے لکھا۔ ان دونوں کا تعلق گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد سے ہے۔ یہ مقالہ بھی "جہانِ تحقیق" میں ہی شامل ہے۔ ۱۲ صفحات پر مبنی یہ مقالہ اس حوالے سے حقائق پیش کرتا ہے کہ جس طرح سماجی حقیقت نگاری کا رجحان ادباء کے ہاں پایا جاتا ہے اور ایک ادیب اپنے معاشرے میں موجود مسائل اور حالات و واقعات کو موضوع بناتا ہے اسی طرح ان مسائل اور حالات و واقعات کے انسان کی سیاسی اور سماجی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشی زندگی پر بھی اثرات پڑتے ہیں جنہیں ادیب اپنی تحریروں میں دکھاتے ہیں۔ اس مقالے میں یہی پہلو قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقالے میں پہلے لفظ "معاشیات، معیشت، معاش" پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد قرۃ العین حیدر کا مختصر تعارف پیش کرنے کے بعد ان کے ناول "میرے بھی صنم خانے" میں مٹتی ہوئی تہذیب، فرقہ پرستی اور طبقاتی کشمکش، مختلف سماجی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے معاشی تصورات کی عکاسی بخوبی کی ہے۔ اس ناول میں اودھ کیزوال پذیر ہوتی تہذیب کو بطورِ خاص موضوع بنایا گیا ہے اس وجہ سے معیشت پر پڑنے والے اثرات کو مقالہ نگاران نے نہایت عمدگی سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

ناول "آگ کا دریا" میں موجود معاشی پہلوؤں کو بھی بخوبی بے نقاب کیا ہے۔ جیسا کہ بارہا بار یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ ناول برصغیر کی اڑھائی ہزار سالہ تاریخ پر مبنی ہے۔ اس ناول کے چار مختلف حصے ہیں جو مختلف تہذیبوں کا احاطہ بھی کرتے ہیں۔ گرتے وقت کے ساتھ ساتھ کون سے معاشی تصورات اجاگر ہوئے اور کن کن

مراحل سے گزرتے ان میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، کیونکہ قدیم وقتوں میں ذریعۂ معاش بھی قدیم اور آج سے مختلف تھے، کس طرح ان ذرائع نے بھی ترقی کی منازل طے کیں ان کا احاطہ بخوبی اس مقالے میں کیا گیا ہے۔ تہذیبوں میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ معاش کے ذرائع میں کس طرح وسعت پیدا ہوئی اس منفرد پہلو کے بارے میں آگاہی اس مقالے سے بخوبی ملتی ہے۔ جیسا کہ:

> "اس ناول کا ایک اہم کردار گوتم نیلمبر ایک آشرم میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اس نے تعلیم حاسل کرنے کے بعد اپنے باپ کا پیشہ اپنانا تھا... قرۃ العین نے شراوستی میں رہنے والے لوگوں کے مختلف پیشوں کا ذکر بھی کیا ہے... وشنو گپتا نے اپنی عوام کی معاشی اصلاح کے لیے بہت کام، وہ لوگ جو کسی بھی پیشے کو اختیار نہیں کر سکتے تھے وشنو نے ان کو بیکار نہیں رہنے دیا، بلکہ ان کو جاسوسی کے محکمے میں شامل کر دیا... امبیکا اس ناول مین ایک رقاصہ کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے ایک رقاصہ کے حوالے سے بھی معاشی شعور کو بیان کیا ہے... ابوالمنصور کے دونوں بیٹے پیشے کے اعتبار سے ماہر تعمیرات تھے۔"(۵)

اسی طرح مغلیہ دور اور حکمرانوں کے زوال کے وقتوں میں موجود معاشی تصورات کی عکاسی بھی اس ناول میں ملتی ہے۔ چونکہ ناول نگاری کا فن زندگی سے قریب تر ہے، ناول ہماری زندگی کی تصویر ہی معلوم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس میں ہر پہلو کی عکاسی کا ہونا تعجب کی بات نہیں، لیکن ان میں سے کسی ایک مخصوص پہلو کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے ایک جامع مقالے / آرٹیکل کی شکل میں پیش کرنا ایک اچھی کوشش ہوتی ہے۔ جو کسی ادیب کی تحریروں پر تحقیق و تنقید کے وقت بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔ آخر پر موجود حوالہ جات پر نگاہ دوڑائی جائے تو فرہنگِ آصفیہ اور قرۃ العین کے اپنے ناولوں (بنیادی ماخذات) کے ساتھ ساتھ ان پر لکھی گئی مختلف کتب اور مقالہ جات سے بھی مدد لی گئی ہے۔

"'خس و خاشاک زمانے' اور 'آگ کا دریا' وقت کی تاریخ" نازیہ پروین اور پروفیسر ڈاکٹر طاہرہ اقبال نے لکھا۔ یہ مقالہ ایک شش ماہی مجلّہ "اوراقِ تحقیق" (علمی و تحقیقی مجلّہ) میں شائع ہوا۔ یہ مجلّہ گورنمنٹ کالج ویمن ہونیورسٹی، فیصل آباد سے نکلتا ہے۔ جس کی سرپرست اعلیٰ اسی یونیورسٹی کی وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر نورین عزیز قریشی ہیں۔ صدرِ شعبہ اردو ڈاکٹر طاہرہ اقبال اس علمی و ادبی مجلّے کی مدیرِ اعلیٰ ہیں۔ مدیر ڈاکٹر زمرد کوثر (ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو) اور معاون مدیر صدف نقوی ہیں۔

اس مقالے کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں قرۃ العین حیدر کے ناول "آگ کا دریا" اور مستنصر حسین تارڑ کے ناول "خس و خاشاک زمانے" میں ایک مشترکہ صفت "وقت کی تاریخ" کو اجاگر کیا ہے۔ان دونوں ناولوں میں مختلف تہذیبوں کی عکاسی ملتی ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیوں کو ایک وسیع کینوس پر قرۃ العین حیدر نے بخوبی منتقل کیا۔انہی خوبیوں کی بناء پر قرۃ العین حیدر نے اپنے لیے ایک منفرد اور قد آور سنگھاسن تعمیر کیا ۔ان کی انہی تخلیقی خوبیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مقالہ نگاران نے ان کی تخلیق کو وقت کے تناظر میں پرکھا یعنی قرۃ العین حیدر صاحبہ کے ناول وقت کی تاریخ ہی معلوم ہوتے ہوتے ہیں۔اسی طرح تارڑ کے ناول میں بھی وقت کا تصور جابجا بکھرا دکھائی دیتا ہے۔جیسا کے زیرِ مطالعہ اس مقالے میں رقم ہے کہ:

> "آگ کا دریا ۱۹۵۹ء میں چھپا جو ۸۰۰ صفحات پر تاریخ کے معاشرتی، فکری اور تہذیبی تناظر کا جدول نامہ ہے اور 'خس و خاشاک زمانے' جو ۴۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔۱۹۲۹ء سے لے کر ۲۰۱۰ء تک کی تاریخ کا بیانیہ ہے۔دونوں عظیم ناول "وقت" کے سبھاؤ کو پیش کرتے ہیں۔"(۶)

درج بالا اقتباس ہی اس آرٹیکل کا نچوڑ معلوم ہوتا ہے۔اس کے بعد ان دونوں ناولوں کا مختصر مگر جامع انداز میں تحقیقی و تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔وقت ایک ایسی طاقت ہے جس کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا اس بڑھتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ زمانی اعتبار سے کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں انہیں دونوں ناول نگاروں نے فنی چابک دستی سے ہمارے روبرو پیش کیا۔اور مقالہ نگاران نے اس پہلو پر خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے۔جیسا کہ خلاصے میں بھی بیان کیا ہے کہ وقت اس ناول (آگ کا دریا) کا ایک بنیادی اور اہم موضوع ہے۔اسی طرح دونوں ناولوں کے تجزیے کے بعد تقابلی انداز میں مقالہ نگاران نے اپنی رائے کو اس آرٹیکل کا حصہ بنایا، لکھتی ہیں کہ:

> "آگ کا دریا بے شک ایک عمدہ اور لازوال ناول ہے۔مگر اس کی زبان عام فہم نہیں ہے اور فلسفوں کی پیچیدگی عام قاری کی سطح سے بلند ہے، بہت عالمانہ انداز ہے۔جبکہ تارڑ کا خاصا یہ ہے کہ ان کے انولوں کی زبان سادہ... ہر عہد کو بہت عمدگی سے بیان کرنا تارڑ کا خاص فن ہے۔ان کا ہر ناول اپنی مثال آپ ہے..."خس و خاشاک زمانے" کا موضوع بھی وقت ہے۔"(۷)

قرۃ العین کے ناولوں کا موضوع وقت کے گرد ہی گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے نزدیک وقت ایک ایسی طاقت کی صورت میں دکھائی دیتا ہے جو بے بس کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ چونکہ اس کا کام ہی گزرنا ہے، اس گزرتے وقت کے ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیوں کو وہ بہت باریک بینی سے دیکھتی ہیں۔ اسی طرح اپنے ناول "آخرِ شب کے ہم سفر" کا موضوع بھی وقت کی تاریخ ہے۔ بنگال کی تحریکیں، وہاں کی ثقافتی، سیاسی اور سماجی تبدیلیاں اس ناول کا بنیادی موضوع ہے۔ بنگال میں شروع ہونے والی انقلابی تحریک جس کا مقصد ہی انقلاب تھا لیکن بعد میں سیاست اس پر غالب آئی اور انقلاب کی بجائے سیاسی مقاصد ہی اس کا نصب العین بن گئے۔ اسی حوالے سے لکھا گیا ایک مقالہ "آخرِ شب کے ہم سفر" میں سیاسی و سماجی تاریخ" جو کہ شاہد نواز کا ہے۔ یہ مقالہ تحقیقی مجلّہ "الماس" میں چھپا۔ یہ رسالہ شعبہ اردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور سے نکلتا ہے۔ جس کے مدیر پروفیسر ڈاکٹر محمد خشک ہیں۔ شمارہ نمبر ۱۶ جو ۲۵ نومبر ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔ اس مجلے میں قرۃ العین کی تحریروں سے متعلق دو مقالہ جات شامل ہیں۔ لیکن ان کی ناول نگاری سے متعلقہ مقالہ جو کہ شاہد نواز صاحب کا ہے اس میں انہوں نے قرۃ العین کے ناول "آخرِ شب کے ہم سفر" کا تجزیہ سیاسی و سماجی تناظر میں کیا ہے۔ ان کے اس ناول میں موجود خوبیوں اور خامیوں کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ اس انول میں جزئیات نگاری کے حوالے سے موجود نقائص کو مثالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس ناول کے بنیادی موضوع کا احاطہ اگر اس مقالے میں موجود ایک اقتباس سے کیا جائے تو بے جا نہ ہو گا:

> "آخرِ شب کے ہم سفر کا سب سے نمایاں وصف عصری تاریخ کا بیان ہے۔ ناول میں نہایت عمدگی سے ۱۹۳۰ء سے لے کر سقوطِ ڈھاکا تک جزوی عصری تاریخ ناول میں جابجا بولتی اور بکھری نظر آتی ہے۔ یوں اس ناول کو بنگال کی سیاسی اور سماجی دستاویز کے ساتھ ساتھ معاصر تاریخی دستاویز کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔"(۸)

اب اس ناول کے بارے میں ایک دلچسپ اور اہم بات اگر دیکھی جائے تو وہ یہ کہ قرۃ العین حیدر نے اس کا نام ایک مقبول و معروف شاعر فیضؔ کے اس شعر سے لیا ہے:

> "آخرِ شب کے ہم سفر فیض نہ جانے کیا ہوئے
> رہ گئی کس جگہ صبا، صبح کدھر نکل گئی"

اسی ناول پر ایک اور آرٹیکل میری نگاہ سے گزرا ہے۔ جو تحقیقی مجلّہ "امتزاج" میں شائع ہوا۔ امتزاج شعبہ اردو، جامعہ کراچی سے شائع کیا جاتا ہے۔ یہ ایک شش ماہی مجلہ ہے۔ اس کے سولہویں شمارے میں شائلہ کرن

کا مقالہ "آخرِ شب کے ہم سفر: لفظیات کا سماجی اور لسانی مطالعہ" شامل ہے۔ سب سے پہلے اس مقالے میں قرۃ العین حیدر کے فن سے متعلق ایک تمہیدی نوٹ ملتا ہے اس کے بعد ان کی ناول نگاری کے بنیادی موضوعات کے حوالے سے بات کی گئی ہے ۔'آخرِ شب کے ہم سفر" کے موضوع کو بھی اسی بحث سے جوڑتے ہوئے اپنے مقالے لے بنیادی موضوع کی طرف آتی ہیں۔ قرۃ العین حیدر کے اس ناول مین استعمال کیے گئے لفظ کس طرح ایک پورے سماج کا نقشہ کھینچ رہے ہیں شمائلہ کرن صاحبہ اس پر خاطر خواہ روشنی ڈالتی ہیں۔ اس کے بعد وہ اس ناول میں مستعمل ان تمام الفاظ کو قارئین کے روبرو پیش کرتی ہیں جو ہمارے لیے قطعی عام فہم نہیں ہیں۔ چونکہ یہ ناول بنگال کت سماج و ثقافت کا عکاس ہے تو اس میں زبان بھی اسی علاقت کی استعمال کی گئی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا یک منفرد اور اہم مقالہ معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ان الفاظ کو ان کے درست تلفظ، معنی اور عام فہم مفہوم کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

اس کے بعد وہ اس مقالے میں قرۃ العین حیدر کے ناول کا لسانی تجزیہ پیش کرتی ہیں۔ میری نظر سے اس سے قبل ایسا کوئی تحقیقی و تنقیدی آرٹیکل نہیں گزرا جس میں کسی بڑے فنکار کو اس کی تحریروں میں شامل لفظیات کو سامنے رکھتے ہوئے اس سماج کی تصویر کھینچی گئی یو جو ادیب کے اپنی تحریر میں ہمیں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جیسا کہ شمائلہ کرن خود لکھتی ہیں کہ:

> "زیرِ نظر مقالے میں لفظیات کی فرہنگ الف بائی ترتیب سے دی گئی ہے۔ ہر لفظ کو تحریر کرنے کے بعد اس کے سامنے معنی کا اندراج کیا گیا ہے... تلفظ کی وضاحت کے لیے اعراب کو ظاہر کیا گیا ہے۔ جس کے لیے اردو کی مستند لغات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔"(۹)

"قرۃ العین حیدر کے نثری اسلوب کا ایک جائزہ" سامنے آتا ہے۔ یہ آرٹیکل اخلاق حیدر آبادی اور میمونہ ملک نے لکھا۔ پچیس صفحات پر مشتمل اس مقالے میں مختصر مگر جامع انداز میں قرۃ العین حیدر کی ناول نگاریکے ساتھ ساتھ ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے ان کے طرزِ نگارش کو مختصراً پیش کیا۔ یہ مقالہ سہ ماہی تحقیقی جریدہ "نورِ تحقیق" میں شائع ہوا۔ یہ جریدہ لاہور گیریژن یونیورسٹی سے نکلتا ہے۔ 'قرہ العین حیدر کے اسلوب' کے تحت درجہ بدرجہ منظرِ عام پر آنے والے ان کے ناول نگاری اور افسانہ نگاری کے اسلوب کی مختصر جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ان کا سب سے پہلا ناول جو "میرے بھی صنم خانے" ہے۔ یہ نام اقبال کے شعر سے اخذ کیا گیا ہے:

میرے بھی صنم خانے، تیرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی، دونوں کے صنم فانی

(اقبالؔ، غزل: بالِ جبریل)

اس ناول کے نام کی وضاحت کے بعد اس میں شامل وقت کا فلسفہ، تہذیب کا جو نقشہ کھینچا گیا اس حوالے سے مچالوں کت ساتھ وجاحت دی گئی ہے۔ نثری اسلوب کے حوالے سے مقالہ نگاران لکھتے ہیں کہ:

"قرۃ العین حیدر کی نثر میں ایکی پُرکار سادگی، روانی اور شیرینی ہے، وہ معنی خیز الفاظ سے، چھوٹے چھوٹے فقرے اور جملے ترتیب دیتی ہیں، چست استعارے استعمال کرتی ہیں اور ایک آہنگ کے ساتھ اپنے خیالات کا عکس صفحات پر اتار دیتی ہیں۔ ان کی نثر کا اسلوب سلیس اور فصیح ہے۔"(۱۰)

اس کے بعد بالترتیب قرۃ العین حیدر کے افسانوی مجموعہ "ستاروں سے آگے" (۱۹۴۶)، ناول "سفینۂ غمِ دل" (۱۹۵۲)، افسانوی مجموعہ "شیشے کا گھر" (۱۹۵۴)، "آگ کا دریا"، "آخرِ شب کے ہم سفر" اور "کارِ جہاں دراز ہے" (حصہ اول: ۱۹۷۷ئ، حصہ دوم: ۱۹۷۹ء)، "گردشِ رنگِ چمن" اور "چاندنی بیگم" کا مختصر تجزیہ کرنے کے بعد آخر پہ ان کے اسلوبِ بیاں پر روشنی ڈالی ہے۔

ماہنامہ "آج کل" (قرۃ العین حیدر نمبر):

ماہنامہ "آج کل" ۱۹۴۲ء سے نئی دہلی سے شائع کیا جارہا ہے۔ اس کے مختلف نمبر بھی شائع کیے جاتے رہے ہیں۔ انہی میں سے ایک قرت العین نمبر بھی ہے جو نومبر ۲۰۰۷ء میں شائع کیا گیا۔ اس وقت اس کے مدیر خورشید اکرم صاحب تھے۔ اس ماہنامہ میں قرت العین حیدر کے حوالے سے لکھے گئے مختلف مقالہ جات شامل ہیں۔ جن میں "قرت العین حیدر کے فن کی جھلکیاں" از باقر مہدی، "نقاش مس حیدر" از شمس الحق عثمانی، "گردش رنگ چمن" از اسماء سلیم، "قرت العین ک فن ور آخر شب کے ہم سفر" از حامد علی خان، "قرت العین حیدر کا تنقیدی شعور" از شمیم طارق، اور "قرت العین حیدر کی مصوری" از جمیل اختر وغیرہ شامل ہیں۔

اپنے موضوع کو مد نظر رکھتے ہوئے دیکھوں تو اس ماہنامہ میں شامل اسماء سلیم کا مقالہ "گردش رنگ چمن (وقت، تہذیب اور فرد کے المیہ کی آویزش)" اہمیت کا حامل ہے۔ یہ آرٹیکل قرۃ العین حیدر کے ناول "گردش رنگ چمن" کے گرد گھومتا ہے۔ پانچ صفحات پر مشتمل اس مقالے میں ان کے ناول کا مختصر تجزیہ درج کیا گیا ہے۔ یہ ناول جو غدر کے قریب تر زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ دو بہنیں دلسواز اور مہرو جو مغل زادیاں ہیں لیکن وقت کی ستم ظریفی کہ وہ باہر کی اندھیر دنیا میں ایک طوائف کی سرپرستی میں آجاتی ہیں۔ دلنواز بیگم رقاصہ نہیں بننا چاہتی لیکن وقت کی

ستم ظریفی کی انتہا یہیں نہیں ہوئی بلکہ گھر میں چراغ کی لو سے آگ لگنے کے باعث چہرہ جھلس جانے کی وجہ سے وہ اپنے ظاہری حسن سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔اس کی زندگی کی ڈگر تبدیل ہو جاتی ہے ہر خواہش چھوڑ کر وہ باطنی و روحانی سفر پر چل نکلتی ہے۔

یہی کہانی آگے چلی ہوئی ایک اور کہانی سے جاملتی ہے۔ایک اور کردار "نواب بیگم" سامنے آتا ہے۔یہ بھی ایک طوائف نہیں لیکن قسمت اس کو طوائف خانے پر لا پٹختی ہے۔صنفِ مخالف کے ہاتھوں دھوکہ بھی کھا بیٹھتی ہیں۔ایک بیٹی عندلیب کو جنم دیتی ہیں۔یوں ایک تیسری نسل کی کہانی شروع ہوتی ہے۔عندلیب جو کہ ایک پڑھی لکھی اور ایک باشعور لڑکی تھی۔قرۃ العین حیدر نے عندلیب کی زبانی اس دور کے مسلمانوں کے ایسے نقشے کھینچے ہیں کہ اس عہد کے سماجی رویے نہایت خوبصورتی سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔مجبوریاں انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں۔عندلیب جسے اس کی ماں اپنے نقشِ قدم پر نہیں چلانا چاہتی لیکن پھر وہی طاقت سامنے آتی ہے جسے "وقت" کہتے ہیں۔مجبوراً عندلیب بھی ایک رکھیل بننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔اس ناول کے تجزیے کے شروع میں اور آکر مین اسماء سلیم کے کچھ الفاظ مجھے بہت دلچسپ معلوم ہوتے ہیں:مقالے کی ابتداء میں اسماء سلیم لکھتی ہیں کہ:

"یہ تین نسلوں کی کہانی ہے۔یہاں سوچ سینکڑوں برسوں کا سفر کرتی ہے۔"(۱۱)

مقالے کے آخر میں اس تجزیے کو بڑی خوبصورتی سے سمیٹتی ہوئی لکھتی ہیں کہ:

"ظاہری زنجیروں سے صرف بدن قید کیا جا سکتا ہے۔روح ان دیکھی زنجیروں اور نامعلوم قید کی اسیر رہتی ہے۔مختلف مراحل ہیں جن سے جسم اور روح دونوں گزرتے ہیں اور ذہن مختلف سوالوں کی زنجیر توڑنے میں لگا رہتا ہے۔"(۱۲)

اس کے بعد اس رسالے میں محمد حامد علی خاں کا مضمون / مقالہ "قرۃ العین حیدر کا فن اور آخرِ شب کے ہم سفر" شامل ہے۔اس مقالے میں انہوں نے بڑے خوبصورت انداز میں اس ناول کا تجزیہ پیش کرنے کے بعد آخر پہ بہت اختصار لیکن جامعیت سے قرۃ العین کے فن کی تعریف کی۔ یہ مقالہ اس ناول کی نمایاں خوبیوں کے پس پردہ قرۃ العین کے اسلوب پر ایک جامع تحریر معلوم ہوتا ہے۔اس مقالہ کا ایک خوبصورت اقتباس کچھ یوں ہے:

"کسی کا ایک خواب ٹوٹتا ہے تو وہ خواب دیکھنا بند نہیں کر دیتا۔وہ پھر دوسرا خواب بھی دیکھتا ہے اس کی پرواہ کیے بغیر کہ پہلے خواب کی طرح اس کا دوسرا خواب بھی ٹوٹ جائے گا۔وہ

صرف خواب ہی نہیں دیکھتا بلکہ خواب کو حقیقت کے روپ میں ڈھالنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔شاید انسانی فضیلت کا راز اسی میں مضمر ہے۔"(۱۳)

جیسا کہ "آج کل" کے اس قرۃ العین حیدر نمبر میں شامل ان کی ناول نگاری سے متعلقہ مقالہ جات کا مختصر جائزہ پیش کر چکی ہوں جس سے نا صرف ان کی ناول نگاری کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے بلکہ اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف مقالہ جات ہمیں کسی ادیب، شاعر یا دانشور کے فکر و فن کو سمجھنے میں کس حد تک مدد گار اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ناول نگاری کے علاوہ بھی ان کی ہر جہت پر مقالہ جات اس شمارے میں شامل ہیں جیسے ان کی تنقیدی بصیرت، مصوری، فوٹو گرافی وغیرہ۔

سالنامہ "نگار"(۲۰۰۷، قرۃ العین حیدر نمبر):

جس طرح ماہنامہ "آج کل" کے قرۃ العین حیدر نمبر کا تجزیہ اس تحریری مشق میں شامل ہے اسی طرح سالنامہ "نگار" کا بھی قرۃ العین حیدر نمبر ملتا ہے۔ جو ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ اس مجلّے کے بانی نیاز فتح پوری ہیں جبکہ اس کے مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر فرمان فتح پوری ہیں۔ یہ مجلہ ۱۹۶۶ء سے باقاعدہ طور پر نکالا جارہا ہے۔ "نگارِ پاکستان" کے نام سے بھی معروف ہے۔ ڈیڑھ سو صفحات پر مبنی اس رسالے کی فہرست پر نگاہ ڈالیں تو اس میں شامل مقالہ جات میں "قرہ العین حیدر جدید افسانے کا نقطۂ آغاز"(محمود ہاشمی)، "قرۃ العین حیدر"(ابنِ سعد)، "میں خود ہی قصہ گو"(قرۃ العین حیدر)، " احوال و کوائف"(نند کشور وکرم)، "قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ"(ڈاکٹر قمر رئیس)، " قرۃ العین حیدر کے افسانے فکر و فن کی روشنی میں"(ڈاکٹر وحید اختر)، " قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ"(داکٹر مضفر حنفی)، " قرۃ العین حیدر بحیثیت ناول نگار"(ڈاکٹر نیلم فرزانہ)، "چاندنی بیگم کے تعاقب میں"(ڈاکٹر ممتاز احمد خان)، اور "اردو ادب میں تاریخی شعور اور قرۃ العین حیدر"(ڈاکٹر عظمیٰ فرمان) وغیرہ شامل ہیں۔

اس مجلے میں شامل ڈاکٹر ممتاز احمد خان کا مضمون "چاندنی بیگم کے تعاقب میں" ایک بہت منفرد اور خوبصورت مضمون ہے۔ جس میں انہوں نے قرۃ العین کی ناول نگاری پر کی گئی کڑی تنقید کو بھی اپنے دائرہ حصار میں لیا ہے۔ ان کے تمام ناولوں پر جو تنقید کی گئی تھی اس تنقید کو ایک خوبصورت تجزیہ پیش کرنے کے بعد مثبت پہلوؤں کی جانب لے کے آنا ہی اس مقالے کی انفرادیت ہے۔ انہوں نے مختلف دلائل کو پیش کرتے ہوئے ان تمام باتوں کی تردید کی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرۃ العین کے ناولوں کی موجودگی تفہیم اور مقام و مرتبہ اس تفہیم سے بہت الگ ہے جو تفہیم ابتداء میں کی گئی۔ چند نکات کو مصنف کے الفاظ میں ہی پیش کیا جائے تو:

"ہمارے اردو ناول کی دنیا میں قرت العین حیدر سے ہٹ کر شاید ہی کوئی دوسرا اتن بڑا ناول نگار ہو جس ک ناول شدید اعتراضات کی زد میں نہ آیا ہو... اچھے ناول کو سطحی افسانہ سمجھ کر پڑھنے والے چند نقادوں کو یہ فلاپ ناول نظر آ رہا ہے... بہت صورت چاندنی بیگم ایک کامیاب ناول ہے۔ اپنے ویث ن کو توسیع دے کر ہی کوئی قاری یا نقاد چاندنی بیگم کا دور تک تعاقب کر کے اس ناول سے محظوظ ہو سکے گا۔"(۱۴)

اگرچہ اس مجلے میں شامل ہر مقالہ اپنی جگہ خاص اہمیت کا حامل ہے لیکن ایک مقالہ جو میری نگاہ سے گزرا ڈاکٹر عظمیٰ فرمان کا مقالہ "اردو ادب میں تاریخی شعور اور قرۃ العین حیدر" ہے۔ اس میں ان کی ناول نگاری جو تاریخی حوالے سے بہت اہم مانی جاتی ہے اسی تناظر میں لکھے گئے اس مقالے میں قرۃ العین کے ناولوں میں تاریخی شعور واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ جہاں ان کی ناول نگاری کو تاریخی حوالے سے اہم گردانا جاتا ہے وہیں ان پر کڑی تنقید بھی کی جاتی ہے کہ ان کی تاریخ نگاری میں جھول نظر آتا ہے۔ دیکھا جائے تو عظمیٰ فرمان نے اس بات کی تردید بہت عمدہ طریقے سے کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تاریخ شعور کو اپنی تحریروں میں نمایاں کرنا آسان نہیں ہے۔ بنیادی طور پر اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ وہ ناول لکھ رہی ہیں جس کے ذریعے من و عن تاریخی مواد کو قارئین تک پہنچانا ایک ادیب کی زمہ داری نہیں ہے۔ وہ اپنے خیالات کو جیسے چاہے اپنے فن کو پیش کرے۔ ان کے مضمون کی ایک خوبصورت سطر کچھ یوں ہے:

"تاریخی جبر کے ہاتھوں بنتی بگڑتی تہذیب کو موضوع بنایا جائے تو کئی بہت کٹھن آتے ہیں۔ گویا آگ جا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔"(۱۵)

الغرض اس رسالے میں شامل ہر مضمون قرت العین حیدر کی شخصیت، ان کی افسانہ نگاری اور ناول نگاری کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے فکر و فن کے حوالے سے بہت عمدہ نمونہ ہے۔ اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس تحریری مشق کے عنوان کے حوالے سے خاطر خواہ مواد کو سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو "آج کل" کا ایک اور قرۃ العین حیدر نمبر (اگست ۱۹۹۰ء) سامنے آتا ہے۔ جس میں ڈاکٹر قمر رئیس، ابو الکلام قاسمی، شمیم حنفی وغیرہ کے مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ماہنامہ "ایوانِ اردو" (جنوری ۲۰۰۸ء کا قرۃ العین حیدر نمبر) بھی ملتا ہے۔ جو اردو اکادمی دہلی سے نکلتا ہے۔ یہ ایوانِ اردو کا شمارہ نمبر ۹ ہے۔ اس شمارے میں پہلے ان کی شخصیت کے حوالے سے بہت دلچسپ مضامین ملتے ہیں اس کے بعد قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری پر فنی جائزے ملتے ہیں۔ ناول نگاری کے

حوالے سے دیکھا جائے تو "چاندنی بیگم: ایک مطالعہ "(پروفیسر زاہدہ زیدی)، "قرہ العین حیدر کے ناولوں کی انفرادیت" (پروفیسر سیدہ جعفر)، "ناول کا عالمی تناظر اور قرہ العین حیدر "(پروفیسر وہاب اشرفی)، "تقسیم ہند اور قرہ العین حیدر کے ناول "(فخر الکریم صدیقی)، "قرہ العین حیدر کی ناول نگاری اور شعور "(ڈاکٹر ایم-نسیم اعظمی)، "قرہ العین حیدر کی ناول نگاری ایک جائزہ "(داکٹر شہاب ظفر اعظمی) اور " قرۃ العین حیدر ایک نظر میں "(ڈاکٹر جمیل اختر) وغیرہ شامل ہیں۔

کتاب "قرۃ العین حیدر کی شخصیت و فن" مختصر جائزہ (مختلف شخصیات کے لکھے گئے مقالہ جات پر مبنی)

یوں تو قرۃ العین حیدر صاحبہ کی شخصیت و فن پر درجنوں کتب تحریر کی جاچکی ہیں لیکن تحقیقی و تنقیدی مقالہ جات کے حوالے سے میں نے جس کتاب کا انتخاب کیا ہے وہ ڈاکٹر صاحب علی کی "قرہ العین حیدر شخصیت اور فن" ہے۔ شعبۂ اردو بمبئی یونیورسٹی سے ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔ ۲۳۰ صفحات پر مبنی اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ قرہ العین حیدر کی شخصیت کے حوالے سے لکھے گئے پانچ مضامین پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ ان کے فن پر لکھے گئے پندرہ مقالہ جات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس مین سے چند منتخب مقالہ جات کا تجزیہ پیش کروں تو سلام بن رزاق کا مضمون " گردشِ رنگ چمن— ایک تاثر" نگاہ سے گزرا۔ اس مضمون میں انہوں نے نہایت عام فہم انداز میں اس ناول کا نا صرف تجزیہ لکھا بلکہ ایک ذمہ دار لکھاری کی طرح ان کے ناول کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ نظر آنے والی خامیوں کو بھی قارئین کے سامنے پیش کیا۔ جیسے:"ناول کا ابتدائی حصہ دانشورانہ قسم کے مکالموں سے خاص بوجھل ہو گیا ہے۔"(۱۶)

ناول میں سے مختلف اقتباسات کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے اسلوب اور اس ناول کی خصوصیات اور پس منظر کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد دیکھیں تو مقدر حمید کا مضمون "آخر شب کے ہم سفر ـــــ مطالعاتی تاثر" ہے۔ انہوں نے قرۃ العین سے اپنی عقیدت، ان کی تحریروں سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے نا صرف تمہید باندھی ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ بہت خوبصورت انداز میں ان کے فن کو سراہا بھی ہے۔ جیسے:"موصوفہ نے اپنے عہد کو، اپنے ماحول کو جیا اور وہی سب لکھا بھی۔(۱۷)

قرۃ العین حیدر صاحبہ کی ایک ایک تحریر پر کئی مقالہ جات اور کتب کی بھرمار ہے۔ ان سب کا احاطہ اس تحریری مشق میں کرنا ناممکن ہے۔ لیکن ممکنہ حد تک ان کی ناول نگاری کے حوالے سے لکھے جانے والے آرٹیکلز (منتخب) کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ لیکن چوں کہ ایک بڑے مصنف کے ہزاروں صفحات کے مطالعے کے

بعد ایک مقالہ تخلیق کیا جاتا ہے۔ ان مقالہ جات کو مزید مختصر کر کے پیش کرنا اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام ہے۔ وقت کی قلت کے باعث اس مختصر سے جائزے سے ہی ان کے فکر و فن کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس مین سے چند مقالہ جات ایسے بھی ہیں جو ابھی تک ای-بک کی رسائی میں نہیں آئے، انہیں شعبہ کی لائبریری سے حاصل کر کے ان کا مکمل حوالہ آئندہ کام کرنے والوں کے لیے اشاریہ ثابت ہو سکتا ہے۔ الغرض قرۃ العین حیدر کے منتخب ناولوں پر لکھے گئے مقالہ جات کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ کرنے کے بعد مجھے ان کی ناول نگاری میں شامل موضوعات، ان کے ناولوں کی خصوصیات اور ان کے ناولوں میں رجحان سازی سے کما حقہ آگاہی ملی ہے۔ فرقہ واریت، ترقی پسند نظریات، شعور کی رو، تاریخی شعور، سماجی حقائق کی تصویر کشی، مختلف تہذیبوں کی عکاسی ان کے ناولوں کا خاصا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرۃ العین حیدر کے ناولوں کے بارے میں لکھنے کا عمل نہ صرف علم کو پھیلانے بلکہ خیالات اور احساسات کی تشکیل کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ محققین اپنی فصیح و بلیغ نثر اور تجزیاتی ذہانت کے ساتھ قارئین کو قرۃ العین حیدر کی ادبی خدمات کے پیچیدہ حسن پر غور کرنے، سوال کرنے اور ان کی تعریف کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تحریری کلام کے ذریعے وہ قرۃ العین حیدر کے ناولوں کی بھول بلیا سے نہ صرف قارئین کی رہنمائی کرتے ہیں بلکہ ان میں اس کی کہانی کی گہرائی اور پیچیدگی کے لیے ایک نئی تعریف بھی پیدا کرتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے ناولوں پر منتخب تحقیقی مقالے، جو ان ماہر محققین کے لکھے ہوئے ہیں اور نامور جرائد میں شائع ہوئے ہیں، مضمون نگاری کی طاقت کا ثبوت ہیں۔ اپنی فکری کاوشوں کے ذریعے، یہ مصنفین قرۃ العین حیدر کی گہری ادبی میراث کے ساتھ قارئین کے سمجھنے اور اس کے ساتھ منسلک ہونے کے طریقے کی رہنمائی، اثر و رسوخ اور تشکیل دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ناز قادری، "ناول کا فن"، بحوالہ www.rekhta.com

۲۔ علی عباس حسینی، اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۷ء، ص ۴۰۔

۳۔ احمد سہیل، " ناول کیا ہے؟ اردو ناول اور اس کے اجزائے ترکیبی"، بحوالہ www.mukaalma.com

۴۔ ریاض حسین بلوچ، ڈاکٹر، محمد طارق انصاری، "قرۃ العین حیدر کے ناول "آگ کا دریا" پر علاقائی ثقافت کے اثرات"، مشمولہ: جہانِ اردو (سہ ماہی تحقیقی جریدہ)، شمارہ:۴، جلد ۲: ، ۲۰۲۱ء، ص ۲۸۶۔

۵۔ صائمہ اقبال، پروین کلو، ڈاکٹر، "قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں معاشی تصورات"، مشمولہ: جہانِ اردو (سہ ماہی تحقیقی جریدہ)، شمارہ:۴، جلد ۲۔ ۲۰۲۱ء، ص۸۶۔

۶۔ نازیہ پروین، طاہرہ اقبال، ڈاکٹر، مقالہ "'خس و خاشاک زمانے' اور 'آگ کا دریا' وقت کی تاریخ"، مشمولہ: اوراقِ تحقیق (شش ماہی علمی و تحقیقی مجلّہ)، شمارہ:۱، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۱ء، ص۱۲۹۔

۷۔ نازیہ پروین، طاہرہ اقبال، ڈاکٹر، مقالہ "'خس و خاشاک زمانے' اور 'آگ کا دریا' وقت کی تاریخ"، م شمولہ: اوراقِ تحقیق (شش ماہی علمی و تحقیقی مجلّہ)، شمارہ:۱، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۱ء، ص ۱۴۲۔

۸۔ شاہد نواز، "آخرِ شب کے ہم سفر میں سیاسی سماجی و تاریخ"، مشمولہ: "الماس"، شمارہ:۱۶، ۲۵ نومبر ۲۰۱۵ء، ص۱۰۴۔

۹۔ شمائلہ کرن، "آخرِ شب کے ہم سفر: لفظیات کا سماجی و لسانی مطالعہ"، مشمولہ: امتزاج، شمارہ:۱۶، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۱ء، ص:۸۳۔

۱۰۔ اخلاق حیدر آبادی، میمونہ ملک، "قرۃ العین حیدر کے نثری اسلوب کا ایک جائزہ"، مشمولہ: نورِ تحقیق، شمارہ:۳، لاہور: لاہور گیریژن یونیورسٹی، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء، ص۸۷۔

۱۱۔ اسماء سلیم، "گردش رنگ چمن (وقت، تہذیب اور فرد کے المیہ کی آویزش)"، مشمولہ: ماہنامہ "آج کل" (قرۃ العین حیدر نمبر)، شمارہ:۴، جلد:۶۶، نومبر ۲۰۰۷ء، ص۲۲۔

۱۲۔ اسماء سلیم، "گردش رنگ چمن (وقت، تہذیب اور فرد کے المیہ کی آویزش)"، مشمولہ: ماہنامہ "آج کل" (قرۃ العین حیدر نمبر)، شمارہ:۴، جلد:۶۶، نومبر ۲۰۰۷ء، ص۲۶۔

۱۳۔ محمد حامد علی خان، "قرۃ العین حیدر کا فن اور آخرِ شب کے ہم سفر"، مشمولہ: ماہنامہ "آج کل" (قرۃ العین حیدر نمبر)، شمارہ:۴، جلد:۶۶، نومبر ۲۰۰۷ء، ص۳۱۔

۱۴۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، "چاندنی بیگم کے تعاقب میں"۔ مشمولہ: (سالنامہ) نگار پاکستان، کراچی، دسمبر ۲۰۰۷ء، ص۱۲۵، ۱۳۳۔

۱۵۔ عظمیٰ فرمان، ڈاکٹر، "اردو ادب میں تاریخی شعور اور قرت العین حیدر"۔ مشمولہ: (سالنامہ) نگار پاکستان، کراچی، دسمبر ۲۰۰۷ء، ص۱۴۱۔

۱۶۔ سلام بن رزاق، "گردش رنگ چمن— ایک تاثر"، بحوالہ: قرۃ العین حیدر شخصیت و فن از ڈاکٹر صاحب علی، ممبئی یونیورسٹی، شعبۂ رادو، ۲۰۰۸ء، ص۱۲۳۔

۱۷۔ مقتدر حمید، "آخرِ شب کے ہم سفر مطالعاتی تاثر"، بحوالہ: قرۃ العین حیدر شخصیت و فن از ڈاکٹر صاحب علی، ممبئی یونیورسٹی، شعبۂ رادو، ۲۰۰۸ء، ص۱۲۸۔